POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 10-11 July 2025, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان

اشاعت کا 86 واں سال

Date of Publication: 09-07-2025 • Price: 5/- • 15-21 July 2025 • Issue: 27 • Vol:84

۱۵تا۲۱/جولائی ۲۰۲۵ء • شمارہ:۲۷ • جلد:۸۴

علامہ شبلی اور 'تاریخ التاریخ'

محمد الیاس الاعظمی

جنوری 1903 میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے دہلی کے اجلاس میں جب انجمن ترقی اردو کا قیام عمل میں آیا اور علامہ شبلی نعمانی (1857-1914) اس کے پہلے سکریٹری منتخب ہوئے تو انھوں نے اردو کی ترقی وفروغ کے لیے متعدد علمی و عملی منصوبے بنائے اور ان کو عملی جامہ پہنانے اور کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے بڑی تگ ودو اور جدوجہد کی۔ اس کی تفصیلات ناچیز کی تصنیف 'علامہ شبلی اور انجمن ترقی اردو' مطبوعہ مغربی بنگال اردو اکادمی کولکاتا اور انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

انجمن ترقی اردو کے پلیٹ فارم سے علامہ شبلی نے اردو کی ترقی کے لیے اولاً جس جانب خصوصی توجہ کی وہ اس کا نظم وانصرام تھا۔ بعدازاں دیگر زبانوں کی عمدہ اور مفید کتابوں کے تراجم اور بعض نئے موضوعات پر تصنیف وتالیف کا منصوبہ بنایا، چناں چہ انجمن ترقی اردو نے بعض نئے موضوعات پر تصنیف کا اشتہار شائع کیا۔ اس میں ایک اہم موضوع تصنیف 'تاریخ التاریخ' بھی شامل ہے۔ چناں چہ انجمن نے جو اشتہار شائع کیا اس میں اس کا خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں:

''تاریخ التاریخ یعنی فنِ تاریخ (خاص مسلمانوں کی تاریخ مقصود ہے) کب اور کن اسباب سے پیدا ہوا، کیوں کر درجہ بدرجہ بڑھا، کتنے دور قائم ہوئے، ہر دور کی کیا خصوصیات ہیں، ملکی اور مذہبی حالت نے اس فن پر کیا کیا اثر پیدا کیے۔ مشاہیر مورخین کے نام، ان کی مختصر سوانح عمریاں، ان کی خصوصیات، کتبِ تاریخ کی فہرست، آج جو کتابیں دنیا کے کتب خانوں میں موجود ہیں ان کی فہرست وغیرہ وغیرہ۔''

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، مورخہ 6 جون 1903، ص 8)

ایک ہفتے بعد انجمن ترقی اردو کا جب دوبارہ اشتہار علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ میں 13 جون 1903 کو شائع ہوا تو اس میں بھی تاریخ التاریخ کی تصنیف کے لیے اعلان شامل تھا۔ اس کے بعد علامہ شبلی کے قلم سے انجمن کے متعلق جو تحریریں نکلیں ان میں تاریخ التاریخ کا ذکر نہیں ہے۔ غالباً اس موضوع کو کسی اہلِ قلم نے تصنیف کے لیے منتخب کرلیا، اس لیے اس کا اشتہار بند ہوگیا۔ انجمن ترقی اردو سے متعلق علامہ شبلی کی تمام دستیاب تحریریں راقم نے اپنی کتاب 'علامہ شبلی اور انجمن ترقی اردو' کے آخری باب 'داستانِ انجمن: علامہ شبلی کے قلم سے' میں یکجا کردی ہیں۔

تاریخ التاریخ، از مولانا محمد مرتضٰی

علامہ شبلی نعمانی 1905 میں انجمن ترقی اردو سے مستعفی ہوگئے، پھر یہ منصوبے گویا پسِ پشت چلے گئے۔ علامہ کے بعد انجمن ترقی اردو کے سکریٹری ان کے دوست مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی (1867-1950) اور ان کے بعد مولوی عزیز مرزا اور آخر میں بابائے اردو مولوی عبدالحق (1870-1961) سکریٹری ہوئے، مگر ان میں کسی نے اس کتاب 'تاریخ التاریخ' کی جانب توجہ نہیں کی۔ حالاں کہ یہ ایک انتہائی اہم موضوع تصنیف تھا۔ البتہ 1911 میں مولوی محمد مرتضٰی صاحب (بانیِ حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس) نے ایک مختصر کتاب 'تاریخ التاریخ' لکھی جو پہلے ماہنامہ 'صحیفہ' حیدرآباد میں بالاقساط شائع ہوئی۔ بعدازاں وکیل ٹریڈنگ اینڈ کمپنی امرتسر سے کتابچے کی صورت میں شائع ہوئی۔ صفحات کی تعداد 70 ہے۔ انھوں اپنی کتاب کو انجمن ترقی اردو کے سلسلے کی تصنیف بتایا ہے، لیکن یہ بھی لکھا کہ:

''ایسی حالت میں جب کہ ملک میں جدید تاریخی مذاق نے تیز پا ترقی کی ہے اور بہت سے جدید تاریخی تحریریں ایسی مہیا ہوگئی ہیں جن پر اردو ناز کرسکتی ہے، یہ ضروری تھا کہ خود تاریخ کی تاریخ اسی نئے انداز میں اس طرح لکھی جائے، جس سے معلوم ہوسکے کہ جو کرشمہ زا قالب آج اس کا نظر آرہا ہے اس میں وہ کس طرح ڈھلی ہے؟

چناں چہ جس وقت مولوی شبلی صاحب نعمانی کی کتاب 'تاریخ علمِ کلام' شائع ہوئی تو میں نے اس کے ریویو میں لکھا تھا کہ 'ہمارے خیال میں خود فن تاریخ کی نسبت یہ سوالات کہ (کس طرح اس کی ابتدا ہوئی)؟ (اور کن وجوہ سے)؟ (کس طرح اس نے ترقی پائی)؟ (کیا کیا تبدیلیاں اس میں ہوتی گئیں)؟ (اور کن وجوہ سے)؟، نہایت دل چسپ ہوسکتے ہیں اور علی الخصوص یہ سوال کہ اہلِ مغرب کا اس ترقی میں کہاں تک حصہ ہے؟ اور زیادہ اہم ہے۔ دوسال کا عرصہ گذرا کہ خاص فنِ تاریخ پر اس اصول کے مطابق ہم نے ایک بسیط مضمون لکھا تھا جو ابھی تک شائع نہیں ہوسکا۔''

(جریدۂ روزگار مورخہ 24 صفر 1324ھ)

اور غالباً اسی بنا پر انجمن ترقی اردو نے 'تاریخ التاریخ' کا عنوان بھی ہمارے لیے مہیا کردیا تھا۔''

(تاریخ التاریخ، ص 1-2)

ممکن ہے کہ علامہ شبلی کے ذہن میں تاریخ التاریخ کا موضوع مولانا محمد مرتضٰی صاحب کے 'علم الکلام' پر تبصرے ہی سے آیا ہو مگر اسے ایک موضوع کی حیثیت سے علامہ شبلی ہی نے پہلی بار پیش کیا۔ مولوی محمد مرتضٰی کے درج بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ وہ اس موضوع پر ایک مقالہ پہلے ہی لکھ چکے تھے مگر وہ کسی وجہ سے شائع نہیں ہوسکا تھا۔ ان کی زیرِ نظر کتاب 'تاریخ التاریخ' علامہ شبلی کے اعلان کے تقریباً آٹھ سال بعد 1911 میں شائع ہوئی اور انجمن کی بجائے وکیل ٹریڈنگ اینڈ کمپنی امرتسر سے شائع ہوئی۔

'تاریخ التاریخ' اگرچہ ایک مختصر سی کتاب ہے لیکن اس سے تاریخ التاریخ کا پورا خاکہ سامنے آجاتا ہے۔ اس کے ماخذ میں قدیم اسلامی مصادرِ تاریخ کے علاوہ علامہ شبلی اور ان کی تصانیف کا کثرت سے حوالہ آیا ہے اور جس طرح عیسائی مورخ جرجی زیدان (1861-1914) مدیر 'الہلال' مصر کو تمدنِ اسلام کے بنیادی مصادر کا علم علامہ شبلی کے مجموعۂ مقالات 'رسائلِ شبلی' سے ہوا، جس کا اس نے اعتراف اپنی کتاب 'تاریخ التمدن الاسلامی' کے دیباچے میں کیا ہے۔ غالباً اسی طرح مولانا محمد مرتضٰی کو 'تاریخ التاریخ' کا ماخذ سید علی بلگرامی کے ترجمے تمدن عرب اور مختلف تصانیفِ شبلی سے ہاتھ آیا ہو۔ ابن الندیم کی الفہرست کے ذکر میں مولانا مرتضٰی نے لکھا ہے:

''علامہ شبلی کے مضمون تراجم میں جو سلسلۂ آصفیہ 'رسائلِ شبلی' کے ذریعے شائع ہوا ہے ان کے اسی مضمون سابقہ مندرجہ 'مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم' کی بہ نسبت جو حیرت انگیز اضافہ معلومات نظر آتا ہے وہ زیادہ تر اسی بے مثل

...(بقیہ صفحہ 6 پر)

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کرسکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

دوسری اور آخری قسط

اُردو املا کا مجوّزہ قرطاسِ اسلوب

رؤف پاریکھ

۵- ہمزہ کا استعمال

ایک اختلاف ہمزہ کے استعمال پر ہے اور رشید حسن خاں کا کہنا ہے کہ جب یاے مجہول (ے) بطور حرفِ اضافت آئے تو اس پر ہمزہ نہیں لکھنا چاہیے، مثلاً بابائے اردو، سوئے چمن، تمنائے وصل، نوائے غالب، بوئے گل، جائے استاد وغیرہ میں ہمزہ نہیں لکھنا چاہیے اور ان کا درست املا باباے اردو، سوے چمن، تمناے وصل، نواے غالب، بوے گل اور جاے استاد ہے (اردو املا، ص ۴۰۰ و بعدہ)۔ اسی طرح بعض اہلِ علم، مثلاً عبدالستار صدیقی بھی، چائے، گائے، تاؤ، ناؤ جیسے الفاظ پر ہمزہ لکھنے کے بوجوہ مخالف ہیں اور ان کا خیال ہے کہ ان کا درست املا چاے، گاے، تاو، ناو ہے (مقالات، ص ۱۲)۔

لیکن بعض اہلِ علم مثلاً ابو محمد سحر نے ان الفاظ پر ہمزہ لکھنے کی حمایت کی ہے (اردو املا اور اس کی اصلاح، ص ۶۷-۵۷)۔ اس ضمن میں سحر صاحب کا ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ''ہندی الفاظ کو ان کی قیاسی اصل کی بنا پر اردو میں لکھنے کا اصول بڑی سختی سے بنایا جاتا ہے لیکن جب عربی الفاظ کا معاملہ آتا ہے تو اصل سے قطع نظر کر کے ہمزہ اور 'یٰ' [الف مقصورہ] کو اردو املا سے خارج کرنے کا قاعدہ بنایا جاتا ہے'' (ایضاً، ص ۵۲)۔

ہمزہ ہی کے ضمن میں عرض ہے کہ بعض عربی الفاظ کے املا میں آخری حرف ہمزہ ہے۔ لیکن اردو میں رائج بہت سے عربی الفاظ کے املا سے اور تلفظ سے بھی یہ ہمزہ اُڑ چکا ہے اور اب عام طور پر اسے لکھا نہیں جاتا، مثلاً ''فُعَلاء'' کے وزن پر بنائے گئے عربی الفاظ کا املا اب اردو میں یہ ہے: ادبا، شعرا، علما، طلبا، وزرا، وکلا، غربا، امرا وغیرہ، یعنی ہمزہ کے بغیر۔ ہماری راے (جو ضروری نہیں کہ ناقص ہی ہو) میں اسے ترجیح دینی چاہیے۔ اگرچہ ہمزہ کے ساتھ بھی ان عربی الفاظ کا املا درست ماننا چاہیے۔

ذاتی طور پر ہمارا یہ خیال ہے کہ باباے اردو، چاے، گاے، ناو، سوے چمن وغیرہ کے سلسلے میں اصولاً یہی درست ہے کہ ان پر ہمزہ کی ضرورت نہیں ہے لیکن بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ یہ اتنے بڑے پیمانے پر رائج ہے کہ اس میں تبدیلی سے مزید انتشار پھیلے گا، خاص کر درسی کتب میں یہ املا طالب علموں تو کیا اساتذہ کے لیے بھی نامانوس اور الجھن کا باعث ہوگا۔ اس ضمن میں ادارۂ فروغِ قومی زبان کے املا سمینار منعقدہ ۲۰۲۲ء کے شرکا کی بہت بڑی اکثریت کا بھی یہی خیال تھا کہ ان الفاظ میں ہمزہ لکھنا چاہیے، خواہ مجبوری سمجھ کر ہی سہی۔

۶- الف مقصورہ (یٰ)

الف مقصورہ (یٰ) کے ضمن میں رشید حسن خاں صاحب نے اعلیٰ، ادنیٰ، حتیٰ وغیرہ کو تو الف سے یعنی اعلا، ادنا، حتا وغیرہ لکھنے کی ہدایت کی اور کہا کہ انجمن ترقیِ اردو کی اصلاحِ رسم الخط کمیٹی نے ۱۹۴۴ء میں اس کی منظوری دی تھی (اردو املا، ص ۵۰، ۴۹)۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ عیسیٰ، موسیٰ، یحییٰ، مصطفیٰ، مجتبیٰ کا املا بھی 'کسی تکلف کے بغیر' اس طرح ہوگا کہ ان کے آخر میں الف مقصورہ کے بجاے الف لکھا جائے گا (یعنی عیسا، موسا وغیرہ) البتہ اتنا کرم کیا کہ ''پھر بھی اگر کچھ لوگ کسی وجہ سے عیسیٰ، موسیٰ، یحییٰ لکھنے پر اصرار کریں تو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے'' (اردو املا، ص ۵۱-۵۰)۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس 'کرم فرمائی' اور 'رعایت' کی وجہ اور غرض و غایت کیا تھی اور اگر اس طرح کی مستثنیات نکالنی تھیں تو پھر اس طرح کے قاعدے اور اصول وضع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ دراصل رشید صاحب بعض امور میں عبدالستار صدیقی کا اتباع کرتے تھے۔

عبدالستار صدیقی صاحب کی علمیت، مختلف زبانوں پر ان کے عبور اور الفاظ کی اصل اور اشتقاق پر ان کی عمیق نظر کا کوئی کافر ہی انکار کر سکتا ہے لیکن ابو محمد سحر صاحب کا یہ تجزیہ درست معلوم ہوتا ہے کہ عبدالستار صدیقی صاحب کے پیشِ نظر اردو املا کی اصلاح کے خیالات کا منشا و مقصد یہ تھا کہ اردو طباعت میں ٹائپ کے بھرپور استعمال کو رواج دیا جائے اور ان کا خیال تھا کہ اردو رسم الخط ٹائپ کے لیے موزوں نہ تھا اس لیے اس میں تبدیلیاں اور آسانیاں ضروری تھیں اور اس مقصد کے حصول کے لیے اردو املا میں بھی تبدیلیاں ناگزیر تھیں (اردو املا اور اس کی اصلاح، ص ۱۲)۔ رشید حسن خاں صاحب نے صدیقی صاحب کی بعض اصلاحی تجاویز کی پیروی کی۔ ٹائپ کے دور میں اردو کی ترقی یقیناً طباعت کی آسانیوں اور ٹائپ کی اصلاح و ترقی میں مضمر تھی۔ لیکن اب ٹائپ کا دور نہیں اور نہ اردو چھپائی میں وہ مفروضہ یا حقیقی مشکلات ہیں۔ اب کمپیوٹر کی وجہ سے اردو املا اور رسم الخط کے مشکل ہونے کے بہت سے مفروضے دم توڑ چکے ہیں اور صدیقی صاحب اور رشید صاحب کے لیے تمام تر احترامات کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ اب ان کی کئی اصلاحات غیر متعلق ہو چکی ہیں۔ کمپیوٹر کی وجہ سے اب الف مقصورہ لکھنا اور چھاپنا بہت آسان ہے۔ چناں چہ الف مقصورہ کو کم از کم طباعت کی آسانی کے نام پر تو اردو املا سے دیس نکالا نہیں دیا جا سکتا۔

گوپی چند نارنگ اور ان کے رفقا نے الف مقصورہ سے لکھے جانے والے چند الفاظ کو بوجوہ چھوڑ کر باقی الفاظ مثلاً ادنیٰ، اعلیٰ، وغیرہ میں الف مقصورہ لکھنے کی اجازت دے دی (املا نامہ، ص ۵۰)۔ راقم کی ذاتی راے میں الف مقصورہ کا رواج اردو میں صدیوں سے ہے اور اسے بلا وجہ تبدیل کرنے سے سواے انتشار کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔

ممکن ہے انجمن ترقی اردو (ہند) کو اس پر اعتراض ہو کیوں کہ انجمن ادنا اور اعلا لکھنے کی قائل ہے۔ سو یہ ان کی صوابدید ہے، وہ جیسے چاہیں لکھیں لیکن اردو والوں کو سوچنا چاہیے کہ پھر نورالہدیٰ، خیرالوریٰ، عیدالاضحیٰ، بدرالدجیٰ، خدیجۃ الکبریٰ، اور من و سلویٰ جیسی تراکیب کا کیا ہوگا۔ نیز اردو میں رائج بعض عربی الفاظ کے اسمِ تفضیل اور جمع کا کیا ہوگا، مثلاً اسمِ تفضیل صغریٰ کو اگر صغرا لکھا جائے تو صغرا (اصغر کی تانیث صغریٰ) اور صغرا (صغیر کی جمع صغرا) میں کیسے فرق کیا جا سکے گا۔ یوں دیکھا جائے تو اردو میں عام طور پر 'ع' کو اس کے درست مخرج سے نہیں بولا جاتا تو کیوں نہ آسانی کے خیال سے 'ع' کو بھی اردو املا سے خارج کر دیا جائے اور 'اعلیٰ' کو 'اعلا' لکھنے والے ترقی کی طرف ایک قدم اور بڑھائیں اور اسے 'آلا' لکھیں؟ تو پھر 'ث' اور 'ص' کو بھی اردو سے دیس نکالا دیا جائے کیوں کہ 'س' کافی ہے اور اردو والے ان تینوں حروف کا تلفظ 'س' ہی کی طرح کرتے ہیں۔ اسی طرح کیا 'ز'، 'ذ'، 'ض' اور 'ظ' میں سے بھی ایک کو باقی رکھا جائے کیوں کہ اردو میں ان سب کا تلفظ ایک سا ہے۔ اس طرح مزید آسانی ہو جائے گی۔ چلیے صاحب چھٹی ہوئی، اردو کا قضیہ ہی جڑ سے کٹ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۷- رواج اور چلن کی اہمیت

ایک اہم نکتہ جو املا کے موضوع پر لکھی گئی کتب اور مقالات کے مطالعے سے بہ تکرار سامنے آیا یہ ہے کہ زبان میں رواج اور چلن کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ انگریزی میں املا کے قوانین تو خیر عجیب ہیں ہی لیکن رائج ہونے کی بنا پر انھیں قائم رکھا گیا ہے۔ مثلاً کبھی gh (جی ایچ) کو f (ایف) پڑھا جاتا ہے اور کبھی ch (سی ایچ) کا تلفظ k (کے) کی طرح کیا جاتا ہے لیکن کوئی نہیں کہتا کہ laugh اور chemistry جیسے الفاظ کا املا بدل دیا جائے۔ انگریزی میں دخیل کئی فرانسیسی الفاظ کا املا وہی ہے جو اصل زبان یعنی فرانسیسی میں ہے گو ان میں سے بعض کے فرانسیسی اور انگریزی تلفظ میں بہت فرق ہے۔ امریکیوں نے کئی انگریزی الفاظ کا املا بدلنے کی کوشش کی اور گیان چند نے لکھا ہے کہ ''ویبسٹر (Webster) کی لغت'' کے تیسرے ایڈیشن میں مرتبین نے یہ جسارت کی کہ روایتی ہجوں اور تلفظ کی بجاے مروّجہ بول چال کا تلفظ، املا اور استعمال درج کر دیا۔ اس پر زبان کے محافظوں کی طرف سے ایک غلغلہ بپا ہوا کہ وہ زبان کو مسخ کر رہے ہیں'' (عام لسانیات، ص ۵۵۲)۔ یہ ہے رواج اور چلن کی اہمیت۔ لیکن امریکی انگریزی میں بھی کوشش کے باوجود محدود تعداد میں الفاظ کے ہجے بدلے جا سکے اور مثلاً humour اور neighbour جیسے الفاظ میں 'او یوُ' (ou) کے بجاے صرف او (o) رہ گیا اور بس، بلکہ وہ بھی صرف امریکی انگریزی کی حد تک۔ برطانوی انگریزی میں ایسے الفاظ کا املا اب بھی وہی کیا جاتا ہے جو صدیوں سے رائج ہے۔

دنیا میں شاید ہی کوئی زبان ایسی ہو جس کے قوانینِ املا اس کے ہر لفظ کے تلفظ کو من و عن اور سو فی صد درست ظاہر کر سکیں اور اسی لیے ''جیسا بولو ویسا لکھو'' کا اصول ہر جگہ اور ہر بار لاگو نہیں ہو سکتا۔ بقولِ خلیق نقوی جس طرح بولو اسی طرح لکھو کے ''اصول کی پوری پوری پابندی میں جو قباحتیں اردو میں پیش آ سکتی ہیں انھیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا'' (اردو املا کے مسائل، ص ۱۷)۔ اس کے بعد انھوں نے انگریزی کے بعض ایسے الفاظ کی مثالیں دی ہیں جن میں کوئی حرف یا تو غیر ملفوظی (silent) ہے یا اس کا تلفظ کچھ اور کیا جاتا ہے۔ مثلاً کیا انگریزی میں thatch, pslam, psychology کا املا بدلنے کی بات کبھی کسی نے کی؟ نہیں، کیوں کہ یہ املا صدیوں سے رائج ہے اور اس میں تبدیلی انتشار کا باعث ہوگی۔

۸- اردو کے لیے سند اردو ہے

یہ درست ہے کہ زبان اور لغت میں سند ضروری ہوتی ہے اور کسی لفظ کا مفہوم اور اس کا املا اس کے استعمال سے طے ہوتا ہے۔ لیکن لغت میں بھی سند اسی زبان سے لی جاتی ہے کسی غیر زبان سے نہیں، مثلاً اردو لغت بورڈ کی بائیس جِلدی لغت میں ہر لفظ کی سند اردو سے دی گئی

ہے (چند ایک اندراجات کو چھوڑ کر جن کی سند دست یاب نہ ہوسکی)۔ اردو کے لیے فارسی یا عربی سے سند لینا اصولاً غلط ہے۔ اردو میں اردو کی سند چاہیے نہ یہ کہ فارسی کے اصول زبردستی اردو پر مڑھے جائیں۔

کئی امور میں رشید حسن خاں صاحب نے فارسی املا کے اصولوں کی مثال دی ہے تو عرض ہے کہ جب فارسی لکھیں گے تو فارسی کے اصولوں کی پیروی ضرور کریں گے، فی الحال تو اردو لکھ رہے ہیں اس لیے اردو کی پیروی کی جائے گی۔ رشید صاحب کی اصلاحِ املا کے اصولوں میں سب سے بڑا خود تکذیبی نکتہ یہی ہے کہ وہ ایک طرف تو اردو میں مستعمل عربی الفاظ کا املا بدلنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف فارسی کے املا کو پتھر پر لکیر اور اردو املا کے لیے بنیادی ہدایت نامہ سمجھتے ہیں۔ بقولِ حفیظ الرحمٰن واصف ''تعجب ہے کہ اردوے معلّٰی کا بھارتیہ کرن بھی کیا جارہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ احمد بہمن یار کے حوالے دے کر ایرانی رجحانات سے اپنے من گھڑت قاعدوں کو مستند بنانے کی بھی کوشش کی جارہی ہے'' (ادبی بھول بھلیاں، ص۶۲)۔

۹- ایک ہی لفظ کے رائج مختلف املا

انگریزی میں بھی بعض الفاظ کے دو املا رائج ہیں۔ اردو میں بھی بعض الفاظ دو طرح لکھے جاتے ہیں اور بعض صورتوں میں دونوں املا درست ہیں۔ کبھی یہ دورنگی تلفظ کی بھی پیداوار ہوتی ہے اور کسی ایک علاقے کے اہلِ زباں ایک طرح اور دوسرے علاقے کے اہلِ زباں دوسری طرح بولتے ہیں، مثلاً گھاس اور گھانس (یعنی گھاں+س، نون غنے کے ساتھ)۔ اسی طرح چاول کا تلفظ چانول (یعنی چاں+ول، نون غنے کے ساتھ) بعض علاقوں میں عام ہے۔ اسی لیے بعض لغات میں بھی گھاس اور چاول کے دو املا درج ہیں یعنی نون غنے کے ساتھ اور اس کے بغیر۔ ان دونوں کو درست ماننا چاہیے۔ بات یہ ہے کہ کسی لفظ کا کوئی ایک تلفظ اور اس کا ایک املا زیادہ رائج ہوتا ہے اور اس سے دوسرا تلفظ اور دوسرا املا غلط نہیں ہوجاتا۔

۱۰- الفاظ کو ملا کر یا توڑ کر لکھنا

الفاظ کو ملا کر لکھنے سے بھی املا میں لکھی ہوئی صورت بدلنے سے بظاہر فرق آجاتا ہے، جیسے خوب صورت/خوبصورت یا دلچسپ/ دل چسپ۔ اسی طرح کیوں کہ/ کیونکہ اور چونکہ/ چوں کہ۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو غلط اور دوسرے کو صحیح نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ بنیادی طور پر املا دونوں کا ایک ہی ہے بس لکھنے کے طریقے میں فرق ہے۔ ہاں ترجیح قائم کرنے کی سوچ کے تحت الگ الگ لکھنے کو فوقیت دی جاسکتی ہے اور اس میں عملی مسائل بھی پیشِ نظر رہنے چاہییں، مثلاً تدریس کے عملی مسائل۔ اب طالبِ علموں کو اردو پڑھانا مشکل سے مشکل تر ہوتا جارہا ہے اور ہمیں نئی نسل کے مسائل اور ضروریات کو دیکھتے ہوئے بعض مرکبات کو الگ الگ لکھنے کو ترجیح دینی چاہیے، کم از کم درسی و نصابی کتب کی حد تک۔ مثلاً کسمپرسی کو بچے کس مُپرسی پڑھنے کے بجائے کسم پرسی پڑھ لیتے ہیں۔ لیکن بلکہ کو توڑ کر 'بل کہ' لکھنے پر بعض حضرات منغض ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں بھی کچھ طے کیا جانا ضروری ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ مصر ہوتے ہیں کہ بائے جارہ کو 'بہ' کی شکل میں لکھا جائے، مثلاً بحال کو بہ حال لکھا جائے۔ اس ضمن میں عربی اور فارسی میں 'ب' کے استعمال کو مدنظر رکھنا ضروری ہے جس پر ادارۂ فروغِ قومی زبان نے اپنی سفارشاتِ املا ۲۰۲۲ء میں روشنی ڈالی ہے (ص ۶۰-۵۹)۔ لیکن 'ب' کو ہر بار توڑ کر لکھنے پر اصرار کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ کیا بالکل کو 'بہ الکل' لکھا جائے گا؟ عرض کرنے کا مقصود یہ ہے کہ ہر بار 'ب' کو توڑ کر لکھنا مناسب نہیں ہوتا اور ایسے مرکبات میں عربی میں ب کبھی مکسور ہوتا ہے (مثلاً بِالمقابل) اور فارسی میں مفتوح (مثلاً بمشکل)۔ 'ب' کو ہر بار 'بہ' لکھنے سے پہلے ان امور پر بھی نظر رکھنی ضروری ہے۔

مذکورہ بالا نکات میں سے بعض باہم یقیناً متضاد ہیں لیکن کیا کیا جائے، ہجائی اور املائی اصولوں میں اگر منطق اور اصول کی سو فی صد کارفرمائی ہوتی یا ہوسکتی اور ہجا کے قواعد (spelling rules) اتنے ہی منطقی ہوتے تو جارج برنارڈ شا کو یہ نہ کہنا پڑتا کہ انگریزی کے املا کے اصولوں کے مطابق fish کو ghoti لکھا جاسکتا ہے[2] (اس کی وضاحت حاشیے میں ملاحظہ کیجیے)۔

یہاں املا سے متعلق خیالات محض تجویز کے زمرے میں ہیں، نہ کوئی اِدّعا ہے، نہ اصرار اور نہ یہ تجاویز حرفِ آخر ہوسکتی ہیں۔ انھیں اس درخواست کے ساتھ اہلِ علم ونظر کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے کہ اس پر غور فرمائیں اور ضروری سمجھیں تو اصلاح و ترمیم بھی فرمائیں تاکہ باہمی مشاورت سے اردو املا کا ایک حتمی قرطاس تیار کیا جاسکے۔

حواشی:

[1] مثلاً مرحوم ڈاکٹر عطش درانی صاحب نے اردو میں قرطاسِ تحقیق یا تحقیق کے قرطاسِ کار کے عنوان سے کچھ اصول اپنے مقالات میں پیش کیے جو بعدازاں ان کی کتابوں میں بھی شامل ہوئے۔ مثلاً ان کی ایک کتاب جدید رسمیاتِ تحقیق (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۵ء) میں ایک باب ''حوالہ و کتابیات نگاری'' شامل ہے۔ ''قرطاسِ تحقیق کا طرزِ ہیئت'' کے عنوان سے ایک باب ان کی دوسری کتاب اصولِ ادبی تحقیق: تکنیکی امور (لاہور: نذیر سنز، ۲۰۱۱ء) ہے (اگرچہ ان میں اور ان کی دیگر کتابوں میں اسی موضوع پر شامل مواد میں خاصی یکسانی اور تکرار ہے)۔ معین الدین عقیل نے اپنی کتابوں پاکستان میں اردو تحقیق (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء) اور رسمیاتِ مقالہ نگاری (کراچی: پاکستان اسٹڈی سنٹر، ۲۰۰۹ء) میں اس ضمن میں کچھ اصول پیش کیے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر عظمیٰ فرمان نے اس موضوع پر مقالہ لکھا جو تحقیق (سندھ یونی ورسٹی، جام شورو، کے شمارہ سترہ (۱۷) جنوری۔ جون ۲۰۰۹ء) میں شائع ہوا۔ نیز گیان چند جین نے تحقیق کا فن (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء) میں اس ضمن میں اہم نکات بیان کیے ہیں۔ رشید حسن خاں کا اردو املا میں علامات کے استعمال پر ایک مختصر لیکن عمدہ مضمون انجمن ترقیِ اردو پاکستان کے سہ ماہی جریدے اردو کے ۱۹۸۵ء کے شمارہ ایک (۱) جلد اکسٹھ (۶۱) میں شائع ہوا تھا۔

۲۔ جارج برنارڈ شا (George Bernard Shaw) کا کہنا تھا کہ انگریزی میں ghoti لکھ کر fish پڑھا جاسکتا ہے کیونکہ انگریزی میں gh کبھی f کی آواز بھی دیتا ہے، جیسے laugh یا enough میں۔ انگریزی میں o کبھی i کی آواز بھی دے سکتا ہے جیسے women لکھتے ہیں اور اسے ویمن پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح ti کبھی sh کی آواز دیتا ہے جیسے nation میں، اس لیے ghoti لکھ کر fish پڑھنا انگریزی کے قوانینِ ہجا کے تحت ممکن اور درست ہے (بحوالہ ماریو پے (Mario Pei)، The Story of Language (نیویارک: نیو امریکن لائبریری، ۱۹۶۶ء) ص ۳۲۰۔

فہرستِ مآخذ:

۱۔ آزاد، محمد حسین، جامع القواعد، لاہور: راے صاحب ایم گلاب سنگھ اینڈ سنز، ۱۹۰۷ء (تیرھواں ایڈیشن)۔

۲۔ پے، ماریو (Pei, Mario)، The Story of Language، نیو یارک: نیو امریکن لائبریری، ۱۹۶۶ء۔

۳۔ جین، گیان چند، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء۔

۴۔ جین، گیان چند، لسانی مطالعے، دہلی: ترقیِ اردو بیورو، ۱۹۹۱ء (تیسرا ایڈیشن)۔

۵۔ جین، گیان چند، عام لسانیات، دہلی: قومی کونسل براے فروغِ اردو زبان، ۱۹۸۵ء۔

۶۔ خاں، رشید حسن، اردو املا، دہلی: قومی کونسل براے فروغِ اردو زبان، ۱۹۹۸ء، (دوسرا ایڈیشن)۔

۷۔ خاں، رشید حسن، اردو املا کے چند اہم مسائل، مشمولہ اردو، سہ ماہی، انجمن ترقیِ اردو، کراچی، شمارہ ۱، جلد ۶۱، ۱۹۸۵ء۔

۸۔ درانی، عطش، جدید رسمیاتِ تحقیق، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۵ء۔

۹۔ درانی، عطش، اصولِ ادبی تحقیق: تکنیکی امور، لاہور: نذیر سنز، ۲۰۱۱ء۔

۱۰۔ سحر ابو محمد، اردو املا اور اس کی اصلاح، بھوپال، مکتبۂ ادب، ۲۰۰۴ء (دوسری اشاعت)۔

۱۱۔ سلیم، وحید الدین، وضعِ اصطلاحات، کراچی: انجمن ترقیِ اردو، ۱۹۶۵ء (اشاعتِ ثالث)۔

۱۲۔ صدیقی، عبدالستار، مقالاتِ صدیقی (مرتبہ مسلم صدیقی)، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۸۳ء۔

۱۳۔ عقیل، معین الدین، پاکستان میں اردو تحقیق، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء۔

۱۴۔ عقیل، معین الدین، رسمیاتِ مقالہ نگاری، کراچی: پاکستان اسٹڈی سنٹر، کراچی یونی ورسٹی، ۲۰۰۹ء۔

۱۵۔ فاروقی، لغاتِ روزمرہ، کراچی: آج، ۲۰۰۳ء۔

۱۶۔ فرمان، عظمیٰ، اردو کی ادبی تحقیق اور مقالہ نگاری کے مسائل، مشمولہ تحقیق، سندھ یونی ورسٹی، جام شورو، شمارہ سترہ (۱۷)، جنوری-جون ۲۰۰۹ء۔

۱۷۔ نقوی، خلیق، اردو املا کے مسائل، مشمولہ اردو نامہ، کراچی، شمارہ ایک، اگست ۱۹۶۰ء۔

۱۸۔ نارنگ، گوپی چند (مرتب)، املا نامہ، دہلی: ترقیِ اردو بیورو، ۱۹۹۰ء (دوسرا ایڈیشن)۔

۱۹۔ واصف، حفیظ الرحمٰن، ادبی بھول بھلیاں، دہلی، ناشر: مصنف، ۱۹۷۹ء۔

اس قرطاسِ املا کی تیاری میں مذکورۂ بالا مآخذ کے علاوہ مندرجۂ ذیل کتابوں/ مقالات سے بھی مدد لی گئی ہے:

۱۔ پاریکھ، رؤف/ حمید، انجم و دیگر مرتبین، سفارشاتِ اردو املا ۲۰۲۲ء، اسلام آباد: ادارۂ فروغِ قومی زبان (سابقہ مقتدرہ قومی زبان)، ۲۰۲۲ء۔

۲۔ پاریکھ، رؤف، صحتِ زباں، اسلام آباد: ادارۂ فروغِ قومی زبان، ۲۰۲۱ء۔

۳۔ خاں، غلام مصطفیٰ، جامع القواعد (حصۂ دوم)، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۷۱ء۔

۴۔ خاں، غلام مصطفیٰ، ہمارا تلفظ، حیدرآباد (سندھ): پیراماؤنٹ پریس، ۱۹۹۹ء۔

۵۔ دانش، احسان، لغات الاصلاح، لاہور: مکتبۂ دانش، ۱۹۵۳ء۔

۶۔ دہلوی، سید احمد، فرہنگِ آصفیہ، (مبنی بر چہار جلد)، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۷۷ء۔

۷۔ راہی، اعجاز (مرتب)، سفارشاتِ املا و رموزِ اوقاف، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء۔

۸۔ سحر، ابو محمد، زبان و لغت، بھوپال: مکتبۂ ادب، ۱۹۸۳ء۔

۹۔ شاہجہاں پوری، ابو سلمان، کتابیاتِ اردو املا اور دوسرے مسائل، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء۔

۱۰۔ عبداللطیف، مولوی، المفرد المرکب، حیدرآباد (دکن): مکتبۂ ابراہیمیہ، ۱۳۳۵ ہجری۔

۱۱۔ مختار احمد، مولانا سید اور ذہین، مولانا، قاموس الاغلاط، حیدرآباد (دکن): مکتبۂ ابراہیمیہ، سن ندارد۔

۱۲۔ ملک، قیوم، اردو میں عربی الفاظ کا تلفظ، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۹ء (اشاعتِ اول)۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ

A-337، بلاک 19، گلشنِ اقبال، کراچی، پاکستان

drraufparekh@yahoo.com

اردو دُنیا

سہرسہ میں ایم اے اردو کی تدریس کے لیے
حکومت کی منظوری کا انتظار

سہرسہ، بہار (21 جون)۔ سہرسہ ضلع میں اردو کی ایک بڑی آبادی ہے مگر افسوس ہے کہ اس ضلع کے کسی کالج میں ایم.اے اُردو کی تدریس کا انتظام نہیں ہے جس کی وجہ سے اردو کلاس کے لیے سہرسہ کے طلبہ کو مدھے پورہ جانا پڑتا ہے اور اسی کے مدِ نظر بہت سارے طلبہ خاص طور پر طالبات خواہش کے باوجود اردو میں ماسٹر ڈگری نہیں کر پاتے تھے، اسی پریشانی کو دیکھتے ہوئے انجمن ترقی اردو سہرسہ کے سکریٹری اور منڈل یونی ورسٹی سینیٹ ممبر جناب مفتی ظل الرحمٰن قاسمی نے بہار کے گورنر اور بہار یونی ورسٹی کے چانسلر جناب عارف محمد خاں سے مل کر سہرسہ کے کالجوں میں اردو سے ماسٹر ڈگری پروگرام کرانے کی سہولت فراہم کرنے کی مانگ کی جس پر گورنر موصوف نے فوراً ایکشن لیا اور بی این منڈل یونی ورسٹی کے وائس چانسلر کو اس سلسلے میں حکم نامہ جاری کیا۔ سہرسہ کے ایم ایل ٹی کالج میں اردو میں ماسٹر ڈگری پروگرام کا آغاز کرنے کے لیے یونی ورسٹی سطح پر تمام کاغذی کارروائی کر کے حکومتِ بہار کی منظوری کے لیے محکمۂ تعلیم کو بھیج دیا گیا ہے جہاں سے منظوری ملتے ہی ایم اے اردو میں داخلے کی کارروائی شروع کر دی جائے گی۔ ساتھ ہی مولانا مظہر الحق عربی فارسی یونی ورسٹی سے بھی عالم، فاضل کورس ریگولر کے ساتھ پرائیویٹ سے بھی کرنے کی اجازت ملنے کی امید ہے۔ مفتی ظل الرحمٰن قاسمی کی اس کوشش کی اردو حلقے میں پذیرائی ہو رہی ہے اور اردو داں طبقے اور طلبہ میں خوشی کی لہر ہے۔
(قومی تنظیم۔پٹنہ)

اردو بنگلہ ٹی ای ٹی امیدواروں کا مظاہرہ

پٹنہ (16 جون)۔ بہار میں ایک بار پھر اردو بنگلہ ٹی ای ٹی امیدواروں کا مسئلہ طول پکڑ چکا ہے۔ بہار سے آئے اردو بنگلہ ٹی ای ٹی امیدواروں نے اقلیتی کمیشن جا کر وزیرِ اعلا سے گفت وشنید پر اصرار کیا۔ امیدواروں نے اپنے دس سالوں کا درد بتاتے ہوئے کہا کہ ہم سے زیادہ پورے بہار میں کوئی مظلوم نہیں ہے۔ حکومت نے رزلٹ دے کر چھین لیا۔ ہمارا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ جو رزلٹ حکومت نے جاری کیے تھے وہی رزلٹ حکومت دوبارہ جاری کر دے کیوں کہ دیگر اساتذہ کی لاکھوں بحالیاں ہو چکی ہیں مگر اردو ٹی ای ٹی امیدوار وہیں کے وہیں ہیں۔ آل بہار اردو بنگلہ اسپیشل ٹی ای ٹی سنگھ کے ریاستی صدر مفتی حسن رضا امجدی نے کہا کہ اردو ٹی ای ٹی بہار کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ درجنوں دھرنے، ریلیاں، بھوک ہڑتال اور احتجاج و مظاہرے ہوئے، خود وزیرِ اعلا نتیش کمار صاحب نے رزلٹ جاری کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ محکمۂ تعلیم نے لیگل اوپینین منگوایا اور رزلٹ جاری کرنے کے لیے لیٹر نکالا گیا پھر بھی رزلٹ جاری نہیں ہوا جب کہ اردو بنگلہ ٹی ای ٹی کے علاوہ حکومت سارے کام کر رہی ہے۔ دوسری جانب گیا ضلع کے صدر محمد ریاض الدین اور بھاگلپور ضلع کے صدر انعام الحق نے کہا کہ ہم لوگ دس سالوں سے صرف ایک رزلٹ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہندی ایس ٹی ای ٹی کا کٹ آف مارکس پچاس فیصد رکھا گیا ہے تو اسی طرز پر اردو ٹی ای ٹی کا کٹ آف مارکس کم کر کے حکومت رزلٹ جاری کر دے۔ یہ حکومت کے پاس سب سے آسان راستہ ہے۔ پورے ہندستان میں کہیں بھی پاس کر کے فیل نہیں کیا گیا ہے۔ ہم پورے بہار کے بارہ ہزار اردو ٹی ای ٹی امیدوار وزیرِ اعلا اور مسلم لیڈران کا احسان کبھی نہیں بھولیں گے، اگر ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے۔ آج پورے بہار کے امیدواروں کی ہنگامی میٹنگ ہوئی اور یہ بات طے پائی کہ اگر رزلٹ پر جلد کام نہیں ہوتا ہے تو پورے بہار کے ہر ضلعے میں دھرنا، احتجاج و مظاہرہ کیا جائے گا۔ (قومی تنظیم۔پٹنہ)

اردو اکادمی دہلی کی تشکیلِ نو نہ ہونے سے اردو حلقوں میں تشویش

تشکیلِ نو میں تاخیر حکومت کی طرف سے غلط فہمیاں پیدا کر رہی ہے

نئی دہلی (25 جون)۔ سال 2024 میں ڈیڑھ سال کے طویل عرصے کے بعد اردو اکادمی دہلی کی تشکیلِ نو ہوئی تھی۔ فروری 2025 میں دہلی میں نئی حکومت بننے کے بعد اردو اکادمی دہلی سمیت تمام اکادمیوں، کمیٹیوں اور کمیشنوں کو تحلیل کر دیا گیا۔ دہلی اسٹیٹ حج کمیٹی کو چھوڑ دیا گیا کیوں کہ یہاں پہلے سے ہی بی جے پی کا قبضہ ہے۔ دہلی کی بی جے پی حکومت کے 100 دن مکمل ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک کسی اکادمی، کمیٹی یا کمیشن کی تشکیلِ نو کی کوئی خبر نہیں ہے۔ اردو اکادمی دہلی کی تشکیلِ نو نہ ہونے سے اردو حلقوں میں تشویش اور بے چینی بڑھتی جا رہی ہے کہ آیا آخر دہلی حکومت کب اس کی تشکیلِ نو کرے گی۔

اردو اکادمی دہلی کے سابق وائس چیئرمین پدم شری پروفیسر اختر الواسع نے نمائندہ ’انقلاب‘ سے خصوصی گفتگو میں کہا کہ صرف اردو اکادمی دہلی ہی نہیں بلکہ دیگر زبانوں کی اکادمیوں کی تشکیلِ نو میں تاخیر حکومت کی طرف سے غلط فہمیاں پیدا کر رہی ہے، حکومت کو سبھی اکادمیوں کو بحال کرنا چاہیے اور ان کی کارکردگیوں کو یقینی بنانا چاہیے کیوں کہ زبانوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ہے بلکہ مذہب کو زبانوں کی ضرورت پڑتی ہے، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ وزیرِ اعلا ریکھا گپتا اس سلسلے میں ضروری قدم اٹھائیں گی اور کسی غلط فہمی کو جنم نہیں لینے دیں گی۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو اکادمی دہلی کے سلسلے میں خاص طور پر اس بات کا خیال رکھا جانا چاہیے کہ اردو والوں کو نمائندگی دی جائے جو زبان بولنا بھی جانتے ہوں اور لکھنا بھی جانتے ہوں۔ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ اردو اکادمی دہلی میں جتنی اسامیاں خالی پڑی ہیں ان کو جلد از جلد بھر دیا جائے، یہ ضروری کام ہے کیوں کہ عملے کے بغیر بہت سارے کام متاثر ہوتے ہیں۔

اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے صدر ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے کہا کہ اردو اکادمی دہلی اپنے شاندار کام کے لیے پورے ملک میں مشہور رہی ہے، اس کی تشکیلِ نو نہ ہونے سے اس کے کام پر منفی اثرات مرتّب ہو رہے ہیں، اس لیے دہلی حکومت سے یہ مطالبہ ہے کہ اس کی جلد از جلد تشکیلِ نو کو یقینی بنایا جائے کیوں کہ یہ اردو کے فروغ کے ساتھ ساتھ حکومت کی ساکھ کا بھی مسئلہ ہے، اس کو بچائے رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ پوری توانائی کے ساتھ کام کرے اور یہ تبھی ممکن ہے کہ جب اکادمی کی تشکیلِ نو کی جائے گی۔

دہلی یوتھ ویلفیئر ایسوسی ایشن کے نائب صدر محمد تقی نے کہا کہ اردو اکادمی سرکاری سطح پر اردو کی نمائندگی کرنے والا واحد ادارہ ہے، اکادمی کی سرگرمیاں پوری طرح تبھی بحال ہو سکتی ہیں جب اس کی گورننگ کونسل تشکیل دی جائے، بغیر اس کے اکادمی کے بہت سارے منصوبے زیرِ عمل نہیں آ پاتے لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ وہ جلد از جلد اردو اکادمی کی طرف توجہ کرے اور اس کی تشکیلِ نو کی جائے تاکہ اکادمی پوری فعالیت کے ساتھ اردو کے فروغ کے لیے کام کر سکے۔

ڈاکٹر وسیم راشد نے کہا کہ اردو اکادمی دہلی میں یوں تو ابھی بھی کام ہو رہا ہے لیکن اس وقت کافی پروگرام صرف کمیٹی نہ ہونے کی وجہ سے ٹھنڈے بستے میں پڑے ہوئے ہیں۔ حکومت اردو زبان کے لیے کچھ کرنا ہی چاہتی ہے تو اردو اکادمی کو بحال کرنا ضروری ہے لیکن ایک گزارش یہ بھی ہے کہ اس بار اکادمی میں اردو زبان و ادب سے جڑے ہوئے لوگوں کو ہی شامل کیا جائے۔ ایسے لوگ نہ ہوں جو اردو کے ش، ق سے بھی نابلد ہوں۔ دوسری بات یہ کہ دہلی والوں کی بھی بھرپور نمائندگی ہو اور اس بار کافی لوگوں کی یہ بھی رائے ہے کہ آج تک کسی خاتون کو اردو اکادمی دہلی کی کمان نہیں سونپی گئی جب وزیرِ اعلا خاتون ہیں تو اکادمی کی وائس چیئرمین بھی خاتون ہو تو بہتر ہوگا۔

ادیب و سماجی کارکن انجینئر فیروز مظفر نے اردو اکادمی دہلی کی گورننگ باڈی کی تشکیل نہیں ہونے پر وزیرِ اعلا ریکھا گپتا سے گزارش کی ہے کہ وہ جلد سے جلد اردو اکادمی کی گورننگ باڈی بنائیں اور اس بار اردو کے لیے کام کرنے والوں کو اکادمی میں لیا جائے۔ اردو پروفیسروں اور شاعروں کو کمیٹی میں نہیں رکھنے پر انھوں نے زور دے کر کہا کہ یہ لوگ سمینار اور مشاعرے تک ہی محدود ہو جاتے ہیں جب کہ اس وقت مسئلہ اردو کی بقا کا ہے۔ اردو اسکولوں سے ختم ہوتی جا رہی ہے، اردو کو زمینی سطح پر پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ کمیٹی میں اس طرح کے لوگ شامل کیے جائیں جو اردو کے لیے کام کرتے ہیں اور ہر جگہ بولنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ (انقلاب۔دہلی)

راج بھاشا ہندی اور اردو ڈائرکٹوریٹ کے لیے
مستقل دفتر کا ہونا لازمی

ہسپورہ، بہار (24 جون)۔ بہار کی معروف ادبی تنظیم ’بزمِ ادب‘ (ہسپورہ) کے اراکین اور خصوصی طور پر اردو دنیا کے مشہور صحافی نثار احمد صدیقی، پروفیسر اسلام عشرت، جنتا دل یونائیٹڈ لیڈر چندریش پٹیل اور راشٹریہ جنتا دل لیڈر ارجن سنگھ نے ایک مشترکہ بیان پریس کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ راج بھاشا (ہندی و اردو) کی ترویج و اشاعت کے لیے بہار حکومت نے یہ ادارہ تقریباً 35-30 سال قبل قائم کیا تھا جو ہنوز قائم و دائم ہے لیکن افسوس کہ راج بھاشا کو اب تک کوئی مستقل دفتر کے لیے حکومتِ بہار نے جگہ نہیں دی۔ کبھی تو یہ سرکاری ادارہ سکریٹریٹ کے گودام خانے میں دیکھنے کو ملتا ہے تو کبھی بیلی روڈ کے آفیسرز ہوسٹل تو کبھی چھجو باغ کے ہندی بھون میں۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اب راج بھاشا (اردو ڈائرکٹوریٹ) کا دفتر یہاں سے بھی منتقل ہو کر حج بھون کے نزدیک جانے والا ہے۔ اس سلسلے میں صحافی نثار احمد صدیقی نے حکومتِ بہار سے سوال کیا ہے کہ اردو ڈائرکٹوریٹ ایک سرکاری ادارہ ہے اور اس ادارے کو حکومتِ بہار ہر طرح سے تعاون بھی دیتی آ رہی ہے، پھر حکومتِ بہار راج بھاشا اردو کے لیے کوئی مستقل جگہ کیوں نہیں دے پا رہی ہے؟ ہم حکومتِ بہار خصوصی طور پر وزیرِ اعلا نتیش کمار سے گزارش کرتے ہیں کہ راج بھاشا (ہندی و اردو ڈائرکٹوریٹ) آفس کے لیے مستقل جگہ کا انتظام کر کے بہار کی عوام کے ساتھ انصاف کریں۔ (قومی تنظیم۔پٹنہ)

اردو ہندی ڈکشنری

انجمن ترقی اردو (ہند)

قیمت: 300 روپے

اردو، بنگلہ اور دیگر زبانوں اور ذاتوں کے خلاف امتیاز برتنے کا معاملہ

دھلی یونی ورسٹی کی اساتذہ برادری برھم، جامع انکوائری کا مطالبہ

نئی دہلی (25 جون)۔ دہلی یونی ورسٹی (ڈی یو) کے آن لائن داخلہ فارم میں لسانی اور سماجی لحاظ سے متنازع اور امتیازی سوالات شامل کیے جانے پر جامع انکوائری کا مطالبہ زور پکڑنے لگا ہے۔ یونی ورسٹی کی ایک معتبر اساتذہ تنظیم ڈیموکریٹک ٹیچرز فرنٹ (ڈی ٹی ایف) نے وائس چانسلر پروفیسر یوگیش سنگھ کو دو صفحات پر مشتمل ایک مکتوب ارسال کرتے ہوئے کہا ہے کہ یونی ورسٹی کے آن لائن فارم میں کئی ایسی دفعات موجود ہیں جو ہندستانی آئین کے بنیادی اصولوں کی صریحاً خلاف ورزی کرتی ہیں۔ اساتذہ نے مادری زبان کے خانے میں اردو کا تذکرہ نہ ہونے پر شدید حیرت اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اردو جو آئین ہند کے آٹھویں شیڈول میں درج زبان ہے، اسے زبان کی بجائے مسلم کے زمرے میں ڈال کر مذہب اور زبان کو جوڑنے کی خطرناک کوشش کی گئی ہے۔

اس عمل کو بدنیتی پر مبنی سازش قرار دیا گیا ہے، جو اقلیتوں کے تئیں تعصب اور فرقہ واریت کو فروغ دیتا ہے۔ اسی طرح بنگلہ زبان، جو عالمی سطح پر تسلیم شدہ ہے اور نوبل انعام یافتہ ادیب رابندر ناتھ ٹیگور کی زبان ہے، اس کو بھی مادری زبان کے زمرے سے خارج کیا گیا جس پر اساتذہ نے شدید اعتراض درج کرایا۔ فارم میں درج ذات پات کے کچھ الفاظ جیسے موچی، چمار وغیرہ کو بھی سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اساتذہ نے اسے معاشرتی طور پر پس ماندہ طبقات کے خلاف تعصب پر مبنی سوچ قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس طرح کے الفاظ کا استعمال یونی ورسٹی جیسے اعلا تعلیمی ادارے کے وقار کے سراسر منافی ہے۔

فارم میں بہاری کو ایک زبان کے طور پر شامل کیے جانے پر اساتذہ نے حیرت اور برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بہاری کوئی زبان نہیں بلکہ ایک ریاست کے باسیوں کے لیے استعمال ہونے والا نام ہے۔ بہار کی مختلف زبانیں جیسے بھوجپوری، میتھلی، مگھئی، سادری، سنتھالی وغیرہ کو نظر انداز کرنا، جان بوجھ کر علاقائی تعصب پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ اساتذہ نے یہ بھی انکشاف کیا کہ فارم میں امیدواروں سے ان کی ذیلی ذات کے بارے میں سوالات کیے جا رہے ہیں جو نہ صرف غیر آئینی ہے بلکہ کسی بھی قانونی یا تعلیمی پالیسی کے تحت مجاز نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ تمام دفعات محض غلطیاں نہیں بلکہ سوچی سمجھی انتظامی سازشیں ہیں جنھیں کسی بھی قانونی یا جامع بحث کے بغیر نافذ کیا گیا ہے۔ خط کے اختتام پر ڈی ٹی ایف نے جامع اور شفاف تحقیقات کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ اس سنگین معاملے کی پوری ذمے داری طے کی جائے اور جب تک انکوائری مکمل نہ ہو، یونی ورسٹی انتظامیہ کو اس مجرمانہ کوتاہی پر عوامی معافی مانگنی چاہیے۔ اس خط پر ڈی ٹی ایف کی سکریٹری پروفیسر آبھا دیو حبیب، ردر آشیش چکرورتی، متھوراج دھوسیہ، انومیہا مشرا، جتیندر مینا، سنجے کوشل اور دیگر اہم اساتذہ کے دستخط موجود ہیں۔

(انقلاب۔ دہلی)

ادب کے ذریعے سماج میں نفرت نہیں محبت عام ہونی چاہیے

بانو مشتاق نے دنیا بھر میں کنڑا زبان و ادب کے وقار کو بلند کیا ھے: سدارامیا

بنگلورو (2 جون)۔ ادب میں وہ طاقت ہے کہ سماج کو ایک نئی سمت دے سکے۔ ادب کے ذریعے سماج کو جوڑنے کا کام ہونا چاہیے نہ کہ اسے توڑنے کا۔ ان خیالات کا اظہار کرناٹک کے وزیرِ اعلا سدارامیا نے کیا۔ معروف کنڑا ادیبہ بانو مشتاق کو بین الاقوامی بکر انعام ملنے پر اُن کے اعزاز میں ریاستی محکمہ کنڑا اینڈ کلچر کی طرف سے منعقدہ تہنیتی پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے وزیرِ اعلا نے کہا کہ بانو مشتاق نے کنڑا زبان کو بکر انعام دلا کر عالمی سطح پر کنڑا کے وقار کو بلند کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ بانو مشتاق کو دیا جانے والا یہ انعام کنڑا والوں کے لیے باعثِ فخر ہے۔ سدارامیا نے کہا کہ اپنے افسانوں اور تراجم کے ذریعے بانو مشتاق اور دیپا بھاستی نے جو کام کیا ہے اس کے لیے ان دونوں کو دس دس لاکھ روپے بطورِ انعام دیے جائیں گے۔ انھوں نے کہا کہ بانو مشتاق کے افسانوں کا انگریزی ترجمہ ریاستی حکومت اپنے خرچ پر کروائے گی۔ انھوں نے کہا کہ بانو مشتاق کی بحیثیت صحافی، مصنفہ، وکیل اور سماجی کارکن ان کی تحریری صلاحیتوں کا معترف طبقہ بہت بڑا ہے۔ لنکیش پتریکا کی ایک صحافی کے طور پر بانو مشتاق نے اپنا کام شروع کیا، بطورِ وکیل انھوں نے کئی غریب خاندانوں کے مقدمات کی پیروی کی۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں انھیں راجیوتسوا اعزاز سمیت متعدد انعامات سے سرفراز کیا گیا۔ انھوں نے کہا کہ مسلم طبقے کی خواتین کی آواز بن کر بانو مشتاق نے توہم پرستی کے خلاف آواز اٹھائی اور ترقی پرور سوچ کو آگے بڑھایا۔ ادب کے ذریعے انھوں نے انسانیت کے پیغام کو عام کیا۔ نائب وزیرِ اعلا ڈی. کے. شیوکمار نے کہا کہ بانو مشتاق اور دیپا بھاستی نے عالمی سطح پر خود کو کنڑا زبان کے برانڈ امبیسڈر کے طور پر پیش کیا ہے۔ انھوں نے عالمی اعزازات حاصل کر کے دنیا بھر میں کنڑا زبان کے نام اور وقار کو بلند کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ملک میں 780 زبانیں اور 19500 بولیاں بولی جاتی ہیں۔ دنیا بھر میں 7800 سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ کسی بھی درخواست فارم پر جب زبان کا نام آتا ہے تو اسے مادری زبان کے طور پر لکھا جاتا ہے، یہ زبان کو حاصل اعزاز ہے۔ اس پروگرام میں ریاستی وزیر برائے ہاؤسنگ، اقلیتی بہبود و اوقاف ضمیر احمد خاں، وزیر برائے کنڑا اینڈ کلچر شیوراج تنگڑگی اور دیگر نے شرکت کی۔ شیواجی نگر کے رکنِ اسمبلی رضوان ارشد نے پروگرام کی صدارت کی۔ (سالار۔ بنگلورو)

خواتین کی ترقی اور بااختیاری کے بغیر 2047 تک وکست بھارت کا تصور ادھورا رہے گا: ڈاکٹر شمس اقبال

'اردو ادب میں خواتین کی سماجی، سیاسی اور ثقافتی بااختیاری کی عکاسی' کے موضوع پر مذاکرہ

نئی دہلی (18 جون، پریس ریلیز)۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے زیر اہتمام سنٹر فار نریندر مودی اسٹڈیز نئی دہلی کے اشتراک سے انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں 'اردو ادب میں خواتین کی سماجی، سیاسی اور ثقافتی بااختیاری کی عکاسی' کے عنوان سے مذاکرے کا اہتمام کیا گیا۔ استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے کہا کہ موجودہ وقت میں ایسے موضوعات پر گفتگو بہت ضروری ہے جن کا براہِ راست تعلق خواتین سے ہو۔ اس لیے کہ خواتین کی ترقی اور بااختیاری کے بغیر 2047 تک وکست بھارت کا تصور ادھورا رہے گا، یہی وجہ ہے کہ G20 میں ہمارے وزیرِ اعظم عزت مآب نریندر مودی نے اس بات پر خاص توجہ دی تھی کہ خواتین ہر میدان میں آگے بڑھیں اور ہندستان کی ترقی اور خوش حالی میں اپنا کردار ادا کریں۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان میں عورتوں کے حقوق اور مسائل پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، خواہ نظم ہو یا نثر مصنّفین نے عورتوں کو خاص جگہ دی ہے اور عورتوں کی حصے داری کو نمایاں طور پر بیان کیا ہے۔ صدارتی تقریر کرتے ہوئے کلسٹر یونی ورسٹی سری نگر کے وائس چانسلر پروفیسر محمد مبین نے کہا کہ اردو میں خواتین فکشن نگاروں نے خاص طور پر رشید جہاں نے شروع سے ہی عورتوں کے حقوق اور مسائل کو بیان کیا ہے۔ بہت سی خواتین فکشن نگاروں نے بھی عورتوں کے مسائل پر بہت ہی سنجیدگی کے ساتھ لکھا ہے۔ انھوں نے اردو زبان کے فروغ اور اشاعت کے باب میں قومی اردو کونسل کی خدمات کو سراہا۔ مہمانِ اعزازی ڈاکٹر شبستاں غفار سابق چیئر پرسن آف گرلس ایجوکیشن، این سی ایم ای آئی حکومتِ ہند نے خواتین کی سماجی، سیاسی اور ثقافتی بااختیاری پر مدلل گفتگو کی۔ انھوں نے اردو زبان کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ دیہات کی جو خواتین تعلیم سے محروم تھیں انھوں نے این او آئی ایس سے جڑ کر اردو تعلیم کے ذریعے خود کو منوایا اور اپنی صلاحیت کو بروے کار لاتے ہوئے وہ آج سماج میں مثبت تبدیلی بھی لا رہی ہیں۔ پروفیسر ابوبکر عباد صدر شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی نے کہا کہ ہمیں ایسے ماحول اور حالات پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس میں خواتین کو اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کرنے کا حق ہونا چاہیے، وہ جس میدان میں بھی اور جس طرح کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں اسے ان کو مکمل اختیار ہونا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ ایسے لوگوں کو پہچاننے کی ضرورت ہے جو خواتین کے حقوق کی بات تو کرتے ہیں لیکن جب ان کو حق دینے کا وقت آتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ادب کے حوالے سے بات کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اردو ادب میں خواتین کو مکمل آزادی ہے کہ وہ جو چاہیں لکھیں، جیسا چاہیں لکھیں اور جس پر چاہیں لکھیں ان پر کوئی بندش نہیں ہے۔ ڈاکٹر مہر فاطمہ حسین ایسوسی ایٹ پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے کہا کہ عورتوں کی تعلیم بہت ضروری ہے اس کے بغیر خواتین بااختیار نہیں ہوسکتیں۔ انھوں نے کہا کہ خواتین اس وقت تک بااختیار نہیں ہوسکتی ہیں جب تک کہ ان کے ساتھ مساوات اور انصاف نہ ہو۔ مشہور نقاد اور صحافی حقانی القاسمی نے خواتین کی تخلیقی خود مختاری پر مدلل گفتگو کی۔ انھوں نے کہا کہ مرد عورت کے مابین صنفی جنگ کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ مردوں ہی نے عورتوں کے خیالوں کو زمین اور خوابوں کو آسمان عطا کیا ہے۔ انھوں نے Victim Language یعنی کشتہ زبان پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ عورتوں نے بااختیار زبان کے بجائے کشتہ زبان کا استعمال کیا اس لیے آج بھی انھیں مظلومیت اور محکومیت کی ایک علامت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر عبدالباری اسسٹنٹ ایڈیٹر نے انجام دیے۔ شکریے کی رسم پروفیسر جسیم محمد (چیئرمین سینٹر فار نریندر مودی اسٹڈیز) نے ادا کی۔

غالب انسٹی ٹیوٹ میں بزمِ غزل (کلام غالب) کا انعقاد

نئی دہلی (16 جون، پریس ریلیز)۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیرِ اہتمام بزمِ غزل (کلام غالب) کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقعے پر غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ادریس احمد نے کہا کہ غالب انسٹی ٹیوٹ کے قیام کا بنیادی مقصد لوگوں تک غالب کے کلام اور اس کے مضمرات کو پہنچانا ہے۔ علمی مذاکرے اس لیے منعقد ہوتے ہیں تاکہ ان کی شاعری کی عالمانہ نکات پر لوگ غور و فکر کریں اور اس طرح کے ثقافتی پروگرام کا مقصد فنِ موسیقی کے ذریعے لوگوں کو غالب سے جوڑنا ہے۔ غالب کی شاعری ہر طبقے میں مقبول ہے، اس لیے اس کی پیش کش میں بھی یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ پروگرام میں یکسانیت سے بچا جائے اور ہر شخص کے ذوق کے مطابق کلامِ غالب کی پیش کش کو ممکن بنایا جائے۔ اس موقعے پر جناب استاد سلامت علی خاں نے اپنی خوب صورت آواز میں کلامِ غالب پیش کیا۔ جناب استاد کریم نیازی نے ہارمونیم، جناب استاد کمال احمد خاں نے سارنگی، جناب نعمان خاں نے طبلہ کے ذریعے اس شام کو یادگار بنایا۔ پروگرام کی نظامت محترمہ منجو ترپاٹھی اور محترمہ ریکھا کلوری نے کی۔ پروگرام کا تخیل جناب محمد اکرام مرزا کا تھا اور اس کی کنوینر محترمہ شہناز مرزا تھیں۔

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : ہم اپنے تماشائی (افسانچے)
مصنف : رؤف صادق
اشاعت : 2025
ضخامت : 112 صفحات
قیمت : 200 روپے
ناشر : اپلائڈ بکس، نئی دہلی-110002
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر

E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

دورِ حاضر میں افسانے کے مقابلے افسانچہ نگاری کی صنف نے خوب ترقی ہے۔ لیکن اس صنف کو اتنا فروغ حاصل نہیں ہوا جتنا افسانے کو۔ اس کے باوجود افسانچہ نگاری کے میدان میں خاطر خواہ کام ہوا ہے کیوں کہ جو بات ایک افسانہ نگار کئی صفحات میں قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے اُسی بات کو افسانچہ نگار چند سطروں میں موثر طریقے سے دریا کو کوزے کے مانند بند کر دیتا ہے۔ اُردو میں افسانچہ نگاری کی روایت کے فروغ میں سعادت حسن منٹو، جوگندر پال، خواجہ احمد عباس، رام لعل، بشیر پردیپ، ش. مظفر پوری، رتن سنگھ، انجم عثمانی، نذیر فتح پوری، عظیم راہی، مناظر عاشق ہرگانوی، رؤف صادق، ایم اے حق، ، رونق جمال، وکیل نجیب، نخشب مسعود اور محمد علیم اسماعیل وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔ افسانچہ نگاری کے حوالے سے ’اُردو میں افسانچہ کی روایت‘ (ڈاکٹر عظیم راہی)، ’افسانچہ اور افسانچہ نگار‘ (پروفیسر اسلم جمشید پوری)، ’افسانچے کا فن‘ (محمد علیم اسماعیل) وغیرہ کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

’ہم اپنے تماشائی‘ (افسانچے) مہاراشٹر سے تعلق رکھنے والے مشہور شاعر و نثر نگار رؤف صادق کے افسانچوں کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے 93 افسانچوں کو شامل کیا ہے۔ اس سے قبل موصوف کی ’نوکِ قلم پر لہو، سہ نوک‘، ’نقشِ معنی‘ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی ادبی خدمات پر ’رؤف صادق کی حیات و خدمات‘ عنوان سے محترمہ خان آفرین فاطمہ نے تحقیقی مقالہ لکھا۔ اس کتاب پر جن اصحابِ قلم نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا اُن میں پروفیسر مقبول احمد، ندیم مرزا، پروفیسر حمید سہروردی، پروفیسر طارق چھتاری اور ڈاکٹر سلیم خان کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ ان تمام اصحابِ قلم نے یک لخت رؤف صادق کی افسانچہ نگاری پر مثبت اظہارِ خیال کیا ہے۔ ندیم مرزا نے انھیں ’رنگوں کا بازی گر‘، پروفیسر حمید سہروردی نے ’انسانی ضمیر کا افسانچہ نگار‘، پروفیسر طارق چھتاری نے ’چونکانے والا افسانچہ نگار‘، اور ڈاکٹر سلیم خان نے ’ایک تہ دار افسانچہ نگار‘ قرار دیا ہے۔ بلا شک رؤف صادق نے اپنے افسانچوں میں زندگی کے کینوس میں طرح طرح کے رنگ بھرے ہیں۔ ان کے افسانچوں میں زندگی کی تلخ نوائی اور عصری مسائل کی ذہنی کش مکش کو موضوع بنایا گیا ہے۔ کسی بھی افسانچے میں وحدتِ تاثر کے ساتھ زماں و مکاں کو ترجیح دی گئی ہے۔ انھوں نے ’خود رنگ ہے دل کا مرے‘ عنوان سے جو پیش لفظ لکھا ہے اس میں تحریر کیا کہ ’افسانچہ لکھنا غزل کا ایک شعر تخلیق کرنے کے مترادف ہے۔ جس طرح غزل کے دو مصرعوں میں معنی و مفہوم کا سمندر موجزن ہوتا ہے، اسی طرح افسانچہ اپنے اختصار میں کہانی کی پوری دنیا سمو دیتا ہے۔‘ (ص 17) رؤف صادق نے زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات کو اس سلیقے سے پیش کیا ہے جسے پڑھ کر قاری ششدر رہ جاتا ہے۔ افسانچہ ’سوچ کے اندھیرے‘ میں زرین نامی عورت کے اُس واقعے کو پیش کیا گیا جس کی وجہ سے اس کی یادداشت چلی جاتی ہے، لیکن جب زرین کی ساس اس کے بیٹے کو اس کے پاس لاتی ہے تو وہ اسے سینے سے چمٹا لیتی ہے لیکن اپنے شوہر کو ’میں کسی غیر مرد سے بات نہیں کرتی‘ کہہ کر پہچاننے سے انکار کر دیتی ہے۔

افسانچہ ’حکم کا غلام‘ میں دو فوجی دوستوں کی کہانی کو بیان کیا گیا ہے۔ وہ دونوں اپنے ملک کی حفاظت کے لیے لڑتے ہیں لیکن فوجی قانون کے مطابق ایک دوست دوسرے دوست کو اپنے کپتان کے حکم سے اس کے سینے میں گولی مار دیتا ہے۔ ’محاسبہ‘ افسانچے میں اپنے جانی دشمن شنو پہلوان کی موت کی خبر سن کر عاقب سنجیدہ ہو کر بولا ’شنو پہلوان کی موت کے بعد مجھے ڈر سا رہتا ہے کہ میں خود سے غافل نہ ہو جاؤں۔‘ افسانچہ ’بت شکن‘ میں رؤف صادق نے انسان کے اندر موجود بُت کی کہانی کو چند سطروں میں سلیقگی کے ساتھ پیش کیا۔ بت شکن جب سارے بت توڑ چکا ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ ’میں نے سب بت توڑ دیے‘ لیکن زخم خوردہ بت درد سے کراہتے ہوئے جواب دیتا ہے ’او بت شکن! تم بڑے نادان ہو، وہ بت تم ہو۔‘ افسانچہ ’کھڑکی‘ بہت ہی جذباتی افسانچہ ہے۔ اس میں دو بھائیوں کی محبت اور خلوص کو پیش کیا گیا ہے۔ لیکن جب چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے مکان میں دیوار اٹھانے کی بات کہتا ہے تو بڑا بھائی اس موقعے پر بہت ہی پُر درد انداز میں کہتا ہے کہ ’بے شک تو آنگن میں دیوار اٹھا مگر دیوار میں کھڑکی ضرور رکھنا۔‘ ’سال گرہ مبارک‘ بہت ہی جذباتی افسانچہ ہے۔ اس افسانچے میں رؤف صادق نے ایک ایسے واقعے کو پیش کیا ہے، جو ہماری زندگی میں سال بھر میں ایک مرتبہ ضرور آتا ہے۔ اہلِ خانہ ثنا کا یومِ پیدائش بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ مناتے ہیں۔ ثنا کے دادا بھی اس کی خوشیوں میں شریک ہیں۔ فوٹو گرافر سال گرہ کے اس موقع کی تصاویر کھینچتا ہے لیکن اگلے دن جب تمام تصاویر سب لوگ دیکھتے ہیں تو اس میں سے دادا جی کی تصاویر غائب تھیں۔ ’قرض معافی‘ افسانچے میں سسٹم کے ناکارہ پن کو قارئین کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ شیو پال پر بینک کا قرض صرف تین روپے تھا لیکن قرض معافی کے لیے بینک تک کی تگ و دو میں اس کے تین سو روپے خرچ ہوئے۔

بہر کیف! ’ہم اپنے تماشائی‘ کتاب میں ایک سے بڑھ کر ایک افسانچے شامل ہیں۔ ان افسانچوں میں معمولی واقعات کو غیر معمولی بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ منظر نگاری کی جزئیات ان کے افسانچوں کی روح ہے۔ وہ واقعات کی منظر کشی کے سحر میں قارئین کو باندھے رکھنے کے ہنر سے بخوبی واقف ہیں۔ انھوں نے اپنے افسانچوں میں محاوراتی زبان اور سادہ اسلوب کو فوقیت دی ہے۔ ان افسانچوں کی قرأت کرتے ہوئے ہماری توجہ اُن مسائل کی جانب مبذول ہوتی ہے جنھیں ہم اپنی زندگی میں اہمیت نہیں دیتے، لیکن جب انہی مسائل کو ہم رؤف صادق کے افسانچوں میں پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا کہ ہماری زندگی کے مسائل کی ترجمانی اور نمائندگی رؤف صادق نے صحیح طریقے سے کی ہے۔

راقم اس موقعے پر رؤف صادق کو مبارک باد پیش کرتا ہے کہ انھوں نے ’ہم اپنے تماشائی‘ میں اُن واقعات کو پیش کیا جن کی اہمیت ہماری نظروں میں قدرے کم تھی۔ کتاب کی ضخامت بھلے ہی کم ہو لیکن کئی سو صفحات پر مشتمل دیگر کتابوں پر اسے برتری حاصل ہے۔ کتاب کا سرورق بہت ہی دیدہ زیب، کاغذ کی کوالٹی عمدہ اور پشت پر رؤف صادق کی پُرکشش تصویر آویزاں ہے۔ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ رؤف صادق کی یہ کتاب افسانچہ نگاری کے فروغ میں اپنا کلیدی کردار ادا کرے گی۔ آخر میں راقم پروفیسر مقبول احمد کے اس شعر پر بات ختم کرتا ہے جس میں انھوں نے زیرِ نظر کتاب کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے:

تصنیفِ نو ’ہم اپنے تماشائی‘ کے طفیل
افسانچے کے فن کو بھی بخشی ہے اب جلا

◆◆◆

علّامہ شبلی اور ’تاریخ التاریخ‘

(بقیہ صفحہ 1 سے آگے)

کتاب ’الفہرست‘ کی بدولت ہے۔‘‘ (تاریخ التاریخ، ص:20)

وہ یہ بھی لکھتے ہیں:

’’ماسبق غیر قوموں سے ترجمہ کی ہوئی کتابوں کا بیان ’رسائلِ شبلی‘ میں جس مکمل طور سے ہو چکا ہے اس پر کسی اضافے کی گنجائش نہیں پائی جاتی۔‘‘ (تاریخ التاریخ، ص:22)

مولانا محمد مرتضٰی نے جہاں مفتوح قوموں کی تاریخ کا ذکر کیا ہے اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ’’علامہ (شبلی) کے (مقالہ) حقوق الذمیین (میں) اس پر کافی بحث کی ہے۔‘‘ (ایضاً)

’تاریخ التاریخ‘ میں مولانا محمد مرتضٰی نے فن سیر کی تاریخ بھی اختصار سے قلم بند کی ہے اور مصنف ’موسیٰ بن عقبہ‘ کو اس فن کی پہلی تصنیف قرار دیا ہے اور اپنے موقف کو مستند کرنے کے لیے یہ بھی لکھا ہے کہ ’’وسیع النظر مورخ شبلی نے بحوالہ محدث ابن حجر عسقلانی پتہ لگایا ہے کہ اس فن میں سب سے پہلے مصنف موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ ہیں‘‘۔ (دیباچہ الفاروق، ص3)

اسی طرح فنِ سوانح کی تاریخ کے ضمن میں مولانا محمد مرتضٰی نے ’سیرۃ النعمان‘ (ص:193) کے حوالے سے لکھا ہے:

’’حجۃ اللہ البالغہ میں حکیم الاسلام، مجدد العصر شاہ ولی اللہ صاحب نے فقہ اور حدیث کی تاریخ ایسے تبحر حکیمانہ انداز سے مرتب کر دی ہے جس سے زیادہ ممکن نہیں۔ علامہ شبلی قائل ہیں کہ ’’فقہ کی تاریخ پر شاہ صاحب نے ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے، جس کا التقاط ہمارے لیے کافی ہے۔‘‘
(تاریخ التاریخ، ص:27)

تاریخ نویسی پر بحث و تحقیق میں مولانا محمد مرتضٰی نے اندلس اور بغداد کا علمی تقابل کیا ہے اور اندلس کی برتری ثابت کی ہے اور اپنے موقف کی تائید میں علامہ شبلی کی کتاب (علم الکلام، ص: 52) سے یہ تائیدی اقتباس نقل کیا ہے کہ ’’اندلس کو یہ فخر نصیب ہوا کہ حدیث اور کلام نے ایک بزم میں جگہ پائی۔‘‘ (تاریخ التاریخ، ص:35)

مولانا محمد مرتضٰی مرحوم نے ’تاریخ التاریخ‘ میں فلسفۂ اسلام کی بھی مختصر تاریخ قلم بند کی ہے۔ انھوں نے اگرچہ عربی مصادر سے استفادہ کیا ہے مگر بہت سے مقامات پر علامہ شبلی کی کتب سے بھی استدلال کیا ہے۔ فلسفۂ تاریخ کے ضمن میں مولانا نے حالی اور شبلی دونوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ استدلال اور طرزِ استدلال ہمارے لیے پسندیدہ ہو سکتا ہے مگر بہتر ہوتا کہ اصل مصادر سے دلائل پیش کیے جاتے۔ وہ لکھتے ہیں:

’’تاریخ التاریخ کا مضمون ’اسکول ایران‘ تک لکھے جانے کے بعد یہ ضروری معلوم ہوا کہ فلسفہ کی مختصر تاریخ بھی اس طرح قلم بند کی جائے جس سے نظر آ سکے کہ فلسفہ نے وہ ہمہ گیر شکل کس طرح بتدریج حاصل کی ہے جس کی نسبت سعدیٔ ہند حالی نے نہایت درست کہا ہے۔ ع
ہوا ہے مدرسوں سے مطبخوں تک فلسفہ جاری‘‘
(تاریخ التاریخ، ص:38)

مولانا محمد مرتضٰی مرحوم نے جہاں لفظ فلاسفی پر بحث کی ہے اوراس کے معانی ومفہوم کا ذکرکیا ہے وہاں لفظ فلاسفی پر حاشیہ لکھا ہے اور تعجب ہے کہ بجائے فلسفہ یا فلاسفی کے معانی ومفہوم واضح کرنے کے یہ لکھا ہے:

''شہرستانی کا تذکرہ علامہ شبلی صاحب نے علم الکلام حصہ اول میں مختصراً کردیا ہے، جس سے ان کے فضل وکمال کا اندازہ ہوتا ہے۔'' (ایضاً)

فلسفۂ اسلام کے ارتقا اوراس کے اقسام اعلی وادنی ،علمی وعملی اور تصنیفات کا ذکرکرنے کے بعد علامہ شبلی کے حوالے سے لکھا ہے:

''فلسفہ عملی الگ قائم ہوگیا لیکن ابھی تک تحریری حیثیت پیدا نہیں ہوئی، چناں چہ سقراط تحریر وتصنیف کا مخالف تھا،اس کے بعد افلاطون کا نمبر آیا، اس نے تصنیف شروع کی لیکن مضمون کو دانستہ نہایت پیچیدہ طریقے سے بیان کرتا تھا، یہ حالت تھی جب کہ ارسطو کا قدم آیا۔ ارسطو کا بڑا کام یہ ہے کہ اس نے ان باتوں کو جو عام فہم نہ تھیں اور جن کی وجہ سے فلسفہ ایک چیستان تھا صاف زبان میں ادا کردیا۔ رسائل شبلی، مضمون تراجم،ص:197 تا 199'' (ایضاً ص:39)

مولانا محمد مرتضٰی مرحوم کا خیال ہے کہ ''جونہی عرب فلسفہ سے آشنا ہوئے شروع ہی سے ان میں ایک اوراسکول معتزلہ قائم ہوگیا، جو ارسطو کی غلامی سے آزاد تھا۔ نظام بقول جاحظ وہ مجدد الالف ہے جس نے سب سے پہلے ارسطو کی کتاب الطبائع کا رد لکھا اور ایک ایسا نیا اسکول قائم کیا جس کا اثر خود مقلدینِ ارسطو پر پڑا۔'' اس کے بعد علامہ شبلی کے بارے میں علم الکلام (ص 153) کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''علامہ شبلی صاحب نے بحوالہ ابن رشد نہایت عمدہ طور سے ثابت کیا ہے کہ شیخ الرئیس بوعلی سینا کے تحقیقات میں متکلمین اہلِ اسلام کا کس قدر حصہ شریک ہے۔''

(تاریخ التاریخ،ص:40)

مولانا محمد مرتضٰی صاحب نے ابن مسکویہ کے بارے میں لکھا ہے:

''ابن مسکویہ رازی المتوفی ۴۲۰ھ: یہ وہ باکمال فلسفی ہے جس کی نسبت علامہ شبلی لکھتے ہیں 'فلسفۂ یونان کی واقفیت میں فارابی اور ابنِ رشد کے سوا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں گذرا۔''

(ایضاً ص:41)

ابنِ مسکویہ کی مشہور تصنیف 'تجارب الامم' پر علامہ شبلی نے نہایت مفصل نقد وتبصرہ ماہنامہ 'الندوہ' لکھنو میں لکھا ہے، جواب 'مقالاتِ شبلی' میں شامل ہے۔ اس کے متعلق مولانا محمد مرتضٰی نے لکھا ہے کہ:

''یہ کتاب یورپ میں چھپ گئی ہے اور اگرچہ میری نظر سے نہیں گذری ہے لیکن علامہ شبلی صاحب نے اس پر ایک مضمون 'الندوہ' میں لکھا ہے اور 'الفاروق' میں بھی (ج 2، ص:90) ایک جگہ اس کی عبارت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہاں تک فلسفیانہ انداز اس میں موجود ہے، فلسفیانہ تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے۔'' (ایضاً)

مولانا سید محمد مرتضٰی نے علامہ شبلی کی ایک تقریر سے بھی اقتباس کیا ہے اور لکھا ہے کہ

''بقول شمس العلماء مولوی شبلی صاحب تاریخ کو تقریباً سب سے پہلے یہ فخر عطا کیا کہ بابر نے اپنی تزک اپنے قلم سے مرتب کی اور اپنی اس تاریخ پسندی کا ترکہ اس طرح چھوڑ گیا، جس کی بدولت ابوالفضل نے 'آئینِ اکبری' لکھ کر تاریخ کا ایک نمونہ مرتب کردیا، جس پر 'اسکول ہندستان' جس قدر فخر وناز کرے درست ہے اور جس پر اس وقت تک بہت کم اضافہ ہوا ہے۔'' (تاریخ التاریخ،ص:62)

فلسفۂ تاریخِ ہند پر مختلف قدیم وجدید مورخین کے متعلق آرا وخیالات بھی مولانا محمد مرتضٰی نے نقل کیے ہیں۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی کے متعلق لکھا ہے:

''شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے بھی الفاروق کے دیباچے میں مورخینِ عرب کی مختصر تاریخ قلم بند کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ زمانۂ حال میں تاریخ کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ اول ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا ہونا۔ دوسرے واقعات میں سبب اور مسبب کی تلاش۔ قدیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔

جناب موصوف جیسے مسلم الثبوت وسیع النظر مورخ کے روبرو جن کی بدولت ہی ہندستان میں اسلامی تاریخ نے نئی زندگی پائی ہے، مجھے اس کے عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ رائے قابلِ ترمیم ہے، خود جناب موصوف نے 'الفاروق' کے ابتدا میں تسلیم فرمایا ہے کہ:

'ان لوگوں (یعنی مورخینِ قدیم) نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔' (تاریخ التاریخ،ص 66-65)

اس کے بعد مولانا محمد مرتضٰی نے اردو لٹریچر کے نامور مورخین اور اہلِ قلم کا ذکر کیا ہے، بشمول سرسید، شبلی اور عبدالحلیم شرر وغیرہ۔ وہ لکھتے ہیں:

''اردو لٹریچر میں اس جدید ترقی کے اثر پیدا کرنے کا فخر جامع الکمال ہندو ہیرو سرسید کو حاصل ہے، جن کے کارناموں میں تاریخ کا احیا بھی شامل ہے اور اسی کا اثر تھا کہ شمس العلما مولوی شبلی صاحب کی بے نظیر وسعتِ نظر نے جدید معلومات تاریخی سے ایک نئی دنیا پیدا کردی۔ اسلامی تاریخ کو جدید اصول کے مطابق روشنی میں لانے سے بلاشبہ علامہ شبلی کو تاریخِ اسلام میں بقائے دوام کا درجہ حاصل ہوگیا ہے۔ شمس العلماء حالی کے مربوط وہموار فلسفیانہ طرزِ بیان اور شرر کی پُرجوش اور دلکش تاریخ، اندازِ تحریر بھی اردو لٹریچر جس قدر فخر وناز کرے بجا ہے اور شرر صاحب کی جادو بیانی ہی ہے جس نے ملک میں تاریخی ذوق پیدا کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔'' (تاریخ التاریخ،ص:70)

علامہ شبلی نعمانی کے متعلق مذکورہ اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے فلسفۂ تاریخ میں اسلام کے تہذیبی وتمدنی اثرات کثرت سے پائے جاتے اور بلاشبہ ایسے اشخاص مدتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

اوراسی کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ مصنف نے اپنی کتاب تاریخ التاریخ کا خاکہ نہ صرف ان کے مشورے سے تیار کیا ہے بلکہ تصانیفِ شبلی ہی سے مولانا محمد مرتضٰی نے اپنی تصنیف کا ایوان سجایا ہے۔

'تاریخ التاریخ' از مولانا سید ریاست علی ندوی

مولانا محمد مرتضٰی کے علاوہ بعض اور اہلِ قلم نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا جن میں ایک قابلِ ذکر مورخِ اسلام اور متعدد کتابوں کے مصنف ومولف مولانا سید ریاست علی ندوی (1904-1967) سابق رفیق دارالمصنّفین اعظم گڑھ جنھوں نے 'تاریخ اندلس' اور 'تاریخ صقلیہ' جیسی معرکہ آرا کتابیں لکھی ہیں اور جنھیں دارالمصنّفین کے ذخیرۂ علمی کا راس المال قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ انھوں نے بھی 'تاریخ التاریخ' لکھنے کا عزم وارادہ کیا تھا، اور اپنی تصانیف کی فہرست میں اس کو شامل کیا ہے۔ چناں چہ اس کا مواد بھی انھوں نے یکجا کرلیا تھا، مگر یہ کتاب پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی اور اس کا کٹا پٹا اور جابجا سے مٹا ہوا غیر مرتب مسودہ دارالمصنّفین کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی (1900-1968) سابق رفیق دارالمصنّفین اعظم گڑھ اپنی مشہور کتاب 'رقعاتِ عالم گیر' کا حصہ دوم مکمل کرنے کے لیے اس کا مسودہ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ پہلے وہ گجرات میں تقریباً ایک سال رہے۔ بقیہ زندگی اسماعیل یوسف کالج بمبئی اور انجمنِ اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی میں گزاری۔ بہت سے ادبی کارنامے انجام دیے مگر وہ 'رقعاتِ عالم گیر' کا دوسرا حصہ مکمل نہیں کرسکے، البتہ ان سے جب دریافت کیا گیا کہ 'رقعاتِ عالم گیر' کی دوسری جلدیں کیوں کر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکیں تو انھوں نے فرمایا کہ ان کی تکمیل کے لیے سامنے مرقد شبلی کا ہونا لازمی ہے۔ مولانا سید ریاست علی ندوی کے بارے میں ایسی روایتیں تو نہیں ہیں لیکن یہ بھی 'تاریخِ اندلس' حصہ دوم، سوم، چہارم مکمل کرنے کے خیال سے اپنے ساتھ اپنے وطن لے گئے تھے، مگر شاید ماہنامہ 'ندیم' گیا کی ترتیب و ادارت نے انھیں اس کی مہلت نہیں دی۔ البتہ ان کے مسودات پٹنہ سے واپس آنے کے بعد 'تاریخِ اندلس' کا حصہ دوم دارالمصنّفین نے شائع کیا ہے۔ افسوس 'تاریخ التاریخ' کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ناقابلِ اشاعت ہے۔

تاریخ التاریخ: مقالہ

اس عنوان سے ایک اور مقالہ حیدرآباد کے ایک مجلّہ 'آئینۂ ادب' (ماہ بہمن 1346 ف،ص:9 تا 18) میں قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی کے قلم سے شائع ہوا ہے۔ موصوف مولوی محمد مرتضٰی کے معاصر تھے، مگر اس مقالے کا علامہ شبلی اور مولوی محمد مرتضٰی کی 'تاریخ التاریخ' سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس مقالے کی ترتیب بھی اس لحاظ سے مختلف ہے کہ علامہ شبلی اور مولوی محمد مرتضٰی کے پیشِ نظر اسلامی تاریخ کی تاریخ تھی، لیکن قاضی ظہور الحسن سیوہاروی عالمی تاریخ کی تاریخ کی تدوین کی منصوبہ بندی پیش کی ہے۔ اس منصوبے کو انھوں نے چار ادوار میں تقسیم کیا ہے: اول ودوم ادوار کے بعد دورِ سوم کا آغاز انھوں نے تاریخِ اسلام سے کیا ہے۔ دورِ چہارم کو یورپ کے عہدِ ظلمت سے نکلنے کے بعد کی تاریخ کی تاریخ قرار دیا ہے۔

علاوہ ازیں 'تاریخ التاریخ' کے عنوان سے بعض اور بھی مقالات رسائل و جراید میں نظر سے گزرے، مگر اس وقت دستیاب نہیں ہیں۔ عربی میں بھی ایک کتاب نظر سے گزری بلکہ وہ گوگل پر موجود ہے۔ چوں کہ وہ ہمارے موضوع سے لگا نہیں کھاتی، اس لیے اس سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔

علامہ شبلی مرحوم نے ایسے بے شمار موضوعات پر کتابوں کی تصنیف وتالیف اور ترجمے کی نشاندہی کی، خاص طور پر انجمن ترقی اردو کی نظامت کے زمانے میں انھوں نے تصنیف وتالیف وترجمہ کے متعدد منصوبے بنائے۔ ان میں بہت سے کام انجام پائے اور بہت سے موضوعات پر سرے سے کام ہی نہیں ہوسکا۔ اسی سلسلے کا 'تاریخ التاریخ' کا یہ منصوبہ بھی ہے، جواب بھی تاریخِ اسلام کے شناور کا منتظر ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
شائستہ منزل، 641، پورہ غلامی، عقب آواس وکاس،
اعظم گڑھ-276001 (یوپی)
E-mail: azmi408@gmail.com
Mob. 9838573645

اسٹینڈرڈ
انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

اُردو فارسی زبان میں مخفف یا اختصار سازی کی روایت

چند اضافی مخفّفات کی نشان دہی

عطا خورشید

تحریری ثقافت میں مخفّفات (اختصارات) ہمیشہ سے ایک خاص مقام رکھتے آئے ہیں۔ علمی تحریروں، مذہبی متون اور خاص طور پر اردو و فارسی مخطوطات میں ایسے بے شمار الفاظ یا جملے مختصر علامات یا حروف میں سمو دیے جاتے ہیں جن کی مکمل تفہیم محقق یا قاری کے لیے ناگزیر ہوتی ہے۔ اسی پس منظر میں ہفتہ وار ہماری زبان (شمارہ: 22 تا 28 جون 2025) میں شائع شدہ برِّصغیر کے فارسی ادب کے نامور محقق ڈاکٹر عارف نوشاہی کا وقیع مضمون 'اردو زبان میں مخفّف یا اختصار سازی کی روایت' بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ مضمون اردو و فارسی کے قدیم و جدید محققین، مخطوطہ شناسوں اور مرتبین کے لیے رہنما اور روشنی کا منبع ہے۔ ڈاکٹر نوشاہی نے مختلف اہم علامات و مخفّفات کی مثالوں اور پس منظر کے ساتھ وضاحت کی ہے اور واضح کیا ہے کہ یہ اختصارات محض علامتی نہیں بلکہ علمی سیاق وسباق میں انتہائی معنویت رکھتے ہیں۔ اُن کی تحقیق ان تمام افراد کے لیے نہایت سودمند ہے جو قدیم متون کو پڑھنے، سمجھنے یا مرتب کرنے میں مشغول ہیں۔

اس مضمون کی افادیت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ چند ایسے اہم مخفّفات کی نشاندہی ضروری محسوس ہوتی ہے جو اگرچہ عموماً اردو و فارسی مخطوطات میں رائج ہیں، تاہم مذکورہ مضمون میں اُن کا ذکر شامل نہیں ہوسکا۔ ذیل میں ان اہم علامات اور اختصارات کی مختصر توضیح پیش کی جارہی ہے، تاکہ اس تحقیقی سلسلے کو مزید کامل بنایا جاسکے:

چند اہم مخفّفات اور اُن کی توضیح:

1. عدد '5' بحیثیت مخفّف: بعض مخطوطات میں جملے یا متن کے اختتام پر عدد '5' لکھا جاتا ہے، جو دراصل حرف 'ھ' کا عددی رمز ہے اور یہ 'ھ' لفظ 'انتہا' کا مخفف ہے۔
   علاوہ ازیں، عدد '۵' لفظ 'ختم' کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ وہ اِس طرح کہ لفظ 'ختم' کا عددی مجموعہ (خ = ۶۰۰، ت = ۴۰۰، م = ۴۰) ۱۰۴۰ ہے، جس کا عددی جوڑ ۵ بنتا ہے۔ لہٰذا '۵' کا استعمال بطور 'ختم' کے مخفف کے طور پر بھی جائز و مروّج ہے۔
2. 'حمدلہٗ': یہ مخفف ہے 'الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ وآلہ و اصحابہ اجمعین' کا، جو اکثر مخطوطات کی ابتدا میں بطور دعائیہ تحریر ہوتا ہے۔
3. حرف 'خ': یہ 'نسخہ' یا 'نسخہ برائے تقابل' کے لیے استعمال ہونے والا عام اختصار ہے۔ مخطوطہ کے اندرون متن یا حاشیے پر جب کسی دوسرے نسخے کا حوالہ دینا ہو تو حرف 'خ' لکھ دیا جاتا ہے۔ نیز ترتیبِ متن کے وقت اگر کئی نسخوں کا استعمال ہو تو ہر ایک نسخے کے لیے خ۱، خ۲، خ۳، خ۴ وغیرہ لکھا جاتا ہے۔
4. حرف 'ض': یہ 'بیاض' کا مخفف ہے۔ بیاض اُس جگہ کو کہا جاتا ہے جو کاتب نے خالی چھوڑی ہو، چاہے وہ سہواً ہو یا ارادتاً۔ یہ اکثر ان مقامات پر لکھا جاتا ہے جہاں بعد میں متن کی تکمیل مقصود ہو۔
5. حرف 'ط': یہ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے:
   (الف) 'طرّہ' کا مخفف، جو عربی میں 'کنارہ' یا 'حاشیہ' کو کہتے ہیں۔
   (ب) 'فقط' کا مخفف بھی یہی حرف 'ط' ہے، جس کا مطلب ہے: 'بس یہی، اس کے سوا کچھ نہیں۔'
   یہ علامت اکثر کسی حاشیے یا ترقیمے کے خاتمے پر لکھی جاتی ہے۔
6. حرف 'م': یہ مخفف 'متوفی' کے علاوہ سنہ میلادی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ سنہ کے لیے لفظ 'عیسوی' کا استعمال بعد میں شروع ہوا جب کہ لفظ 'میلادی' کا استعمال اس سے قدیم تر ہے۔
7. حرف 'ن': یہ بھی دو پہلو رکھتا ہے:
   (الف) 'بیان' (بمعنی واضح کرنا) کا مخفف- خاص طور پر اُس وقت جب متن میں کسی غلطی کی اصلاح حاشیے پر کی گئی ہو۔
   (ب) 'نسخہ' کا مخفف- اگر کاتب نے کوئی لفظ غلط لکھ دیا ہو اور بعد میں کسی دوسرے نسخے سے اُس کی تصحیح کی گئی ہو، تو متن میں متعلقہ جگہ پر 'ن' لکھ کر حاشیے پر درست لفظ کے ساتھ 'ن' درج کیا جاتا ہے۔

ان مخفّفات کی فہرست نہ صرف متون کی درست قرأت اور تفہیم میں معاون ہے، بلکہ تحقیق و تدوین کے معیارات کو بہتر بنانے میں بھی ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر نوشاہی کے مضمون میں ان اشارات کا اضافہ اُس کی افادیت کو مزید بڑھا سکتا ہے۔

ڈاکٹر عطا خورشید
A-1, First Floor, Barkaat Apartment, Phase-2,
Hamdard Nagar-A, Near Jamalpur Police Chawki,
Aligarh-202002
E.mail: atakhursheed2012@gmail.com
Mob. No : 9897577302

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

میرے مضامین (مجموعۂ مضامین ومقالات)	ڈاکٹر ماجد دیوبندی	300/-
نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	1000/-
سرودِ عشق	شاہ رُخ جمال	200/-
گل دوگانہ	سیّد کاشف رضا	300/-
مشائخِ دہلی کی جامع تاریخ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	700/-
مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں)	خلیق احمد نظامی	4500/-
نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ)	معصوم مرادآبادی	250/-
ہمارا شہر اُس برس (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	700/-
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا	سرورالہدیٰ	500/-
1857 کی ان کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	300/-
دیوؤں کا ظہور (الوک اگروال/ مینک اگروال)	مترجم: سیّد وجاہت مظہر	500/-
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	200/-
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	250/-
مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	600/-
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	400/-
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	250/-

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-۶
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722